اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرہ:165)

وقالَ اللّٰہ تعالیٰ فی مَقامٍ اٰخر

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ ○ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ ○ (القیمۃ:22-23)

وقال رسول اللہ ﷺ

کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

مخلوقات عالم میں محبّت کی تقسیم:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرہ:165) اور ایمان والوں کو اللہ رب العزت سے شدید محبّت ہوتی ہے۔

اور جو حدیث قدسی بیان کی گئی ہے اس میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے اس بات کو پسند کیا کہ مجھے پہچانا جائے، پس میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا۔

گویا مخلوق کے پیدا ہونے کا سبب محبّت بنی۔ چونکہ محبّت وہ پہلی چیز ہے جو مخلوق کے پیدا ہونے کا سبب بنی اس لئے مخلوق میں سے ہر ایک قسم نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس محبّت میں سے حصہ حاصل کیا۔ مخلوقات عالم میں معدنیات بھی ہیں اور نباتات بھی، حیوانات بھی ہیں اور انسان بھی۔ اللہ تعالیٰ نے

اپنی تمام مخلوقات کو ''محبّت'' میں سے حصہ عطا فرمایا۔اس کی مثالیں ہر جگہ دیکھی جاسکتی ہیں کیونکہ محبّت ہر جگہ جلوہ گر ہے۔

لوہے میں مقناطیس کی محبّت:

معدنیات میں دیکھئے،لوہا مقناطیس کا عاشق ہے۔وہ بے اختیار اس کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے۔مقناطیس جہاں بھی ہوگا وہ اس کی طرف فوراً اپنا رخ کر لے گا۔وہ مقناطیس کے عشق میں اتنا سچا ہے کہ اس کی صحبت میں رہ کر اس کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔یعنی جب لوہا مقناطیس کے پاس رہتا ہے تو اس کے اپنے اندر بھی کچھ مقناطیسیت آجاتی ہے۔گویا وہ اس کی مقناطیسیت والی صفت اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔

سورج مکھی کے پھول کی سورج سے محبّت:

سورج مکھی ایک پھول ہے وہ وہ ہر وقت اپنا رخ سورج کی طرف رکھتا ہے۔گویا کہ وہ سورج کا عاشق ہے۔اسی لئے اس کا نام بھی سورج مکھی پڑ گیا ہے۔جب سورج مشرق کی طرف ہوتا ہے تو اس کا رخ بھی مشرق کی طرف ہوتا ہے اور جیسے جیسے سورج چڑھتا ہے اس کی سمت بھی اس کے ساتھ ساتھ بدلتی ہے حتی کہ سورج جب غروب ہونے لگتا ہے تو اس کی رخ بھی مغرب کی طرف ہوجاتا ہے۔اس کو سورج کے ساتھ کچھ ایسی وارفتگی ہوتی ہے کہ سورج جس طرف بھی ہو یہ ادھر گھوم جاتا ہے۔اگر انسان کا بھی یہی حال ہوجائے کہ اس کے دل کی تمام تر تمناؤں اور امیدوں کا محور ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہوجائے تو اسے ایمان ابراہیمی نصیب ہوجائے۔

اِنِّیۡ وَجَّہۡتُ وَجۡہِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا (الانعام:79) میں اسی کی طرف اپنا

رخ کرتا ہوں جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، خالص ہو کر۔

مچھلی میں پانی کی محبّت:

حیوانات میں دیکھئے، مچھلی پانی کی عاشق ہے۔ اسے پانی میں رہ کر سکون ملتا ہے۔ وہ پانی کے بغیر تڑپتی ہے حتیٰ کہ وہ اس کی جدائی میں تڑپ تڑپ کر جان بھی دے دیتی ہے۔ حالانکہ وہ کھاتی پیتی تو کچھ اور چیزیں ہے مگر پانی کے ساتھ اس کا عشق اس قدر راسخ ہے کہ جب پانی سے نکالا جائے تو وہ اپنی جان بھی دے دیتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کا تڑپنا ضرب المثل بن گیا ہے کہ فلاں تو ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ مچھلی کا پانی میں پرسکون ہونا نبی علیہ السّلام کی زبان مبارک سے بھی ثابت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلْمُؤْمِنُ فِی الْمَسْجِدِ کَالسَّمَكِ فِیْ الْمَاءِ مؤمن کو مسجد میں ایسے سکون ملتا ہے جیسا کہ مچھلی پانی کے اندر پرسکون ہوتی ہے۔

مچھلی کا دل پانی سے کبھی نہیں بھرتا اگر چہ وہ پورے سمندر کا پانی ہی کیوں نہ ہو۔ وہ تھک کر کبھی سمندر سے باہر نہیں نکلتی۔ سمندر میں رہنا ہی اس کی زندگی ہے۔ وہ اپنے عشق میں اتنی فنا ہے کہ اگر کوئی بندہ اس کو کھالے تو کھانے والے کو بھی پانی کا طالب بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو آدمی مچھلی کے کباب کھاتا ہے وہ بھی تھوڑی دیر کے بعد پانی مانگتا ہے۔

پروانے میں شمع کی محبّت:

پروانہ شمع کا عاشق ہے۔ وہ ہر وقت اس کے گرد طواف کرتا رہتا ہے۔ اس کی پرواز کبھی ختم ہی نہیں ہوتی۔ وہ محبّت میں اتنا آگے بڑھا کہ لوگوں نے اس کی مثالیں دینی شروع کر دیں۔

اس کے پاس عدد اور گنتی کا تصور نہیں ہے کہ شمع کے گرد سات چکر لگاتے ہیں۔ اگر اس کو چوبیس گھنٹے شمع

ملے تو وہ چوبیس گھنٹے اس کا طواف کرے گا۔ گویا شمع کے گرد طواف کرنا ہی اس کی زندگی ہے۔ وہ تھک ہار کر اسی شمع کے اندر گر جاتا ہے اور اپنی جان دے دیتا ہے۔ اس کی محبّت کا اندازہ کیجئے کہ جب وہ جلتا ہے تو آواز بھی نہیں نکالتا۔ اسی مضمون کو کسی شاعر نے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

کمال یہ ہے کہ آواز تک نہیں آتی وفورِ شوق میں یوں جل رہے ہیں پروانے

عربی میں ایک مثل مشہور ہے جس کا معنی یہ ہے کہ فلاں آدمی نے تو پروانے کی مانند خاموشی سے جان دے دی۔ اسی لئے حضرت شیخ سعدیؒ نے کہا،

اے مرغ سحر عشق زپروانہ بیاموز کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

اے مرغ سحر! تو ذرا پروانے سے عشق کا سبق سیکھ کہ وہ اپنی جان دے دیتا ہے اور واویلا نہیں مچاتا۔

چکوری کی چاند سے محبّت:

پرندوں میں چکوری ایک پرندہ ہے۔ اسے چاند سے عشق ہے۔ چاند اور چکوری مثال بن گئی۔ چکوری چاندنی رات میں اپنے آپ میں نہیں رہتی۔ وہ جیسے ہی چاند کو دیکھتی ہے اس کی محبّت میں چہکنا شروع کر دیتی ہے۔ اس کے نغمے الاپتی ہے۔ وہ نغمے الاپتے الاپتے چاند کی طرف پرواز بھی کرتی ہے۔ اس کے نغمے کبھی ختم نہیں ہوتے۔ وہ چہچہاتی ہے تو چاند کی محبّت میں، ترستی ہے تو اس کی محبّت کو اور پھڑکتی ہے تو اس کی محبّت میں۔

بلبل کی پھول سے محبّت:

بلبل کے دل میں پھول کا عشق ہے۔ جہاں بھی محبّت کا تذکرہ کیا جائے وہاں بلبل اور پھول کی مثال ضرور دی جاتی ہے۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا۔

آ عندلیب مل کر کریں آہ و زاریاں تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

جہاں بھی باغ اور پھول کا نام آئے گا وہاں بلبل کا نام ضرور آئے گا۔ وہ پھولوں کے نغمے الاپتی رہتی ہے۔ چمن کے مختلف پھولوں کے پاس بیٹھنا اور ان کی تعریفیں کرنا اس کی زندگی کا کام ہے۔ بلبل اور پھول کے عشق کی داستانیں کتابوں میں بھری پڑی ہیں۔

انسانوں میں محبّت کا جذبہ:

جہاں مخلوقات عالم کے درمیان محبّت رکھی گئی ہے وہاں اشرف المخلوقات انسان کے دل میں بھی محبّت کا جذبہ ودیعت کیا گیا ہے۔ چنانچہ دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں جس کے دل میں محبّت نہ ہو۔ کوئی بندہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے دل میں کسی کی محبّت نہیں ہے کیونکہ

دل بحرِ محبّت ہے محبّت یہ کرے گا لاکھ اس کو بچا تُو یہ کسی پر تو مرے گا

یہ اور بات ہے کہ محبّت خالق کی ہو یا مخلوق کی۔

پتھر سے ہو خدا سے ہو یا پھر کسی سے ہو آتا نہیں ہے چین محبّت کیے بغیر

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کمرے میں یا تو روشنی ہوگی، اگر روشنی نہیں تو اندھیرا ضرور ہوگا۔ اسی طرح یا تو دل میں اللہ رب العزت کی محبّت کی روشنی ہوگی اور اگر اللہ رب العزت کی محبّت کی روشنی نہیں تو مخلوق کی محبّت کا اندھیرا ضرور ہوگا۔

یاد رکھئے کہ محبّت کا جذبہ ایک مقدس جذبہ ہے اس لئے اس کو مخلوق کے اوپر برباد کرنا کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ انبیائے کرام علیہم السّلام نے آکر ایک اصولی بات سمجھائی کہ

''لوگو! فانی محبوب کا عشق بھی فانی ہے اور باقی محبوب کا عشق بھی باقی ہے۔ جو انسان مخلوق سے محبّت کرے گا وہ ایک نہ ایک دن مخلوق سے جدا کر دیا جائے گا اور جو انسان اللہ رب العزت سے محبّت کرے گا وہ ایک نہ ایک دن اللہ سے ملا دیا جائے گا''۔

سبق آموز اشعار:

زیب النساء مخفی اپنے اشعار میں کہتی ہے:

مرغ دل را گلستاں بہتر زکوئے یار نیست طالب دیدار را ذوق گل و گلزار نیست

گفت ازعشق بتاں اے دل چہ حاصل کردہ ای گفت مارا حاصل جز نالہائے زار نیست

چند قطرہ خون دل مخفی برائے مہوشاں ریختن برخاک دل ایں شیوۂ عطار نیست

دل کے مرغ کیلئے یار کی گلی سے بہتر گلشن کوئی نہیں اور دیدار کے طالب کو گل وگلزار سے کوئی ذوق نہیں کیونکہ محبوب کے دیدار سے بہتر کوئی نعمت نہیں .....میں نے پوچھا، اے دل! تو نے ان فانی محبوبوں کے عشق سے کیا پایا کہنے لگا، مجھے سوائے رونے دھونے کے اور کچھ نہیں ملا.....اے مخفی! یہ دل جو خون کے چند قطرے ہیں اس کو مخلوق کیلئے گرا دینا کوئی عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔

فانی عشق کا عبرتناک انجام:

فانی عشق کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔اس کی کتنی ہی مثالیں ہیں۔انہی مثالوں پر غور کر لیجئے جو ابھی آپ کو دی ہیں۔

لوہے کا انجام:

لوہا مقناطیس کا عاشق بنا۔اس کی غیر پرستی کا یہ انجام ہوا کہ اسے رنگ کالا ملا۔اسے آگ میں پگھلایا جاتا ہے۔اسی پر بس نہیں بلکہ جب آگ سے نکلتا ہے اور نرم ہوتا ہے تو اس کے سر پر ہتھوڑے لگائے جاتے ہیں یوں اس کو مخلوق کے ساتھ محبّت کرنے کا مزہ چکھایا جاتا ہے۔اس کا انجام دنیا میں بھی برا ہوا اور آخرت میں بھی اسے جہنّم کا حصہ بنا دیا جائے گا۔چنانچہ جہنمیوں کو لوہے کے طوق اور زنجیریں پہنائی جائیں گی۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ○ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ○ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ○ (الحآقہ:32-30) پس تم پکڑو اس کو پس قید کر دو اس کو، پھر جہنّم میں اس کو داخل کر دو۔ اور پھر ستر گز لمبی زنجیر میں اس کو باندھ دو۔

تو لوہے کے طوق اور زنجیریں آخرت میں کہاں ہوں گی؟ جہنّم میں ہوں گی۔ جنتیوں کو لوہے کی زنجیریں کوئی نہیں پہنائے گا۔ ان کے لئے سونا، چاندی، موتی اور ہیرے ہوں گے۔

ہمیں یہاں ایک علمی نکتہ سمجھنا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ لوہے کو مقناطیس کے ساتھ محبّت ہوتی ہے۔ اس کے سامنے آپ لعل و جواہر بھی رکھ دیں تو یہ ان کی طرف ہرگز توجہ نہیں کرے گا۔ اے انسان! لوہا ایک مخلوق ہے اور اسے مخلوق کی محبّت میں اتنی یکسوئی حاصل ہے کہ اپنے محبوب کے سوا کسی دوسری طرف توجہ نہیں کرتا، تو اپنے پروردگار کا کیسا عاشق ہے کہ رب کریم زندہ موجود ہے اور حــی لا یــمــوت ہے اور تو اس پروردگار کو چھوڑ کر غیروں کی طرف محبّت کی نگاہیں ڈالتا پھرتا ہے۔

لوہے کو اگر شیشے میں بند کر دیا جائے تو اس کی توجہ میں پھر بھی فرق نہیں آتا۔ اگر قطب نما گھڑی بنا دی جائے تو شیشے میں گھر جانے کے باوجود بھی لوہے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس کی توجہ کا قبلہ پھر بھی مقناطیس ہی رہتا ہے۔ اس میں ہمارے لئے عبرت ہے کہ دیکھو، یہ مخلوق ہے اور مخلوق سے محبّت کرتا ہے، اس کا انجام بھی برا ہوتا ہے لیکن اسے محبّت میں اتنی یکسوئی حاصل ہے کہ شیشے میں گھر جانے کے باوجود بھی اپنے مقصود سے پیچھے نہ ہٹا، اے انسان! تو کیسا اپنے مالک کا بندہ ہے کہ اگر تجھے پریشانیوں کے حالات گھیر لیتے ہیں تو تو اپنے رب سے رخ پھیر لیتا ہے۔ کاروبار میں ذرا سی پریشانی آجائے تو مسجد کا دروازہ بھول جاتا ہے اور باجماعت نمازیں چھوٹ جاتی ہیں۔ ہمارا محبوب تو محبوب حقیقی ہے، ہمیں تو

چاہیے تھا کہ ہم زیادہ بہتر انداز میں اپنے رب سے محبّت کرتے۔

مچھلی کا انجام:

مچھلی کو پانی سے عشق ہے۔ چونکہ اسے پانی کے ساتھ اس قدر والہانہ محبّت ہے کہ اس کی جدائی میں تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کے اندر بدبو پیدا کر دی ہے۔ غیر پرستی کی وجہ سے اس کے جسم میں اتنا تعفّن ہوتا ہے کہ جن ہاتھوں میں جاتی ہے ان ہاتھوں کو متعفّن بنا دیتی ہے ،جس برتن میں جاتی ہے اس برتن کو متعفّن بنا دیتی ہے، جس منہ سے کھائیں اس منہ میں اس کی بدبو آنا شروع ہو جاتی ہے اور جس گھر میں پہنچے اس گھر میں بدبو مچا دیتی ہے۔ کسی اور جاندار میں اتنی بدبو نہیں ہوتی جتنی مچھلی میں ہوتی ہے۔ اگر اسے پورے دریا کے پانی سے بھی دھوڈالیں تو پھر بھی اس کی بدبو ختم نہیں ہوگی۔

پروانے کا انجام:

پروانے نے شمع سے عشق کیا، جس کا انجام یہ ہوا کہ اسے جان دینی پڑ گئی اور اس کا نام ''بے عقل'' مشہور ہو گیا۔ عربی میں پروانے کے لئے ایک لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا معنی ہے ''بے عقل''۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ تو پروانے کی طرح بے عقل انسان ہے۔ پروانہ شمع کر گرد طواف کر کر کے اپنی جان بھی دے دیتا ہے مگر شمع کو اس کے حال کی خبر تک نہیں ہوتی۔ اردو میں کہتے ہیں:

''اندھے کے سامنے روئے اپنے نین کھوئے''

محبّت الٰہی میں دھوکا کھانا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ اپنے غلاموں میں سے کسی کو اچھے انداز سے نماز پڑھتے دیکھتے تو وہ اس غلام کو آزاد کر دیا کرتے تھے۔ جب آہستہ آہستہ غلاموں کو پتہ چلا تو

ہر غلام نے یہی وطیرہ اپنا لیا۔ غلام اچھی طرح نماز پڑھ کر دکھا دیتے اور وہ انہیں آزاد کر دیتے۔ کسی نے کہا، حضرت! آپ کے غلام ریا کاری کرتے ہیں، وہ آپ کے سامنے بنا سنوار کر نماز پڑھ لیتے ہیں اور آپ ان کو آزاد کر دیتے ہیں، وہ تو آپ کو اس طرح دھوکا دیتے ہیں۔ اس پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ''میں اللہ کی محبّت میں سچا کیسے ہوسکتا ہوں جب تک کہ اس کی محبّت میں دھوکا نہ کھا جاؤں''۔

چکوری کا انجام:

چکوری کو چاند سے محبّت ہوتی ہے۔ وہ چاندنی رات میں اڑتی ہے اور بالآخر تھک کر گر جاتی ہے اور اسے موت آجاتی ہے۔ اسے چاند کا وصل بھی نصیب نہیں ہوتا اور گمنامی کی موت بھی آجاتی ہے۔ یوں مخلوق کی محبّت کا انجام لاحاصل رہتا ہے۔ انسانوں کا بھی یہی حال ہے۔ جس کسی انسان نے اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے مخلوق سے محبّت کی اس کا انجام بھی ہمیشہ برا ہوا اور جس نے محبّت کے اس مقدس جذبے کو اللہ کے لئے استعمال کیا یا اللہ کی نسبت سے اللہ کے بندوں سے نیکی اور تقوٰی کا تعلّق رکھا اس کا انجام ہمیشہ اچھا ہوا۔ محبّت کا یہ جذبہ ہم میں سے ہر بندے کو نصیب ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس جذبے کو اللہ رب العزت کے لئے ہی استعمال کریں اور اپنے دلوں میں اللہ رب العزت کی محبّت کو بڑھائیں۔ یہ محبّت کا بڑھانا انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔

حسن ظاہری کی حیثیت:

دنیا میں مخلوق کے پاس جو بھی حسن و جمال ہے وہ سب میرے مولا کی دین ہے۔ فقط ظاہری حسن کے پیچھے بھاگنے والا انسان ہمیشہ نقصان اور خسارے میں رہتا ہے۔ سیدنا حضرت یوسفؑ مادرزاد حسین تھے۔ آپ اتنے حسین تھے کہ حسن یوسف آج دنیا میں ضرب المثل بن چکا ہے۔ جب ان کو کنویں میں ڈالا گیا اور پھر نکال کر بیچا گیا تو ان کی کیا قیمت لگی؟ قرآن مجید میں فرمایا گیا،

وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ (یوسف:20) اوران کو چند کھوٹے سکوں کے عوض بیچ دیا گیا۔

معلوم ہوا کہ مخلوق کے ظاہر تحسن کی قیمت اللہ رب العزت کی نظر میں چند کھوٹے سکے ہوا کرتی ہے۔ حسن کے پیچھے بھاگنے والے عبرت حاصل کریں کہ وہ کتنی بے قیمت چیز کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۝ (یوسف:22) اور جب پہنچ گیا اپنی قوت کو، ہم نے اس کو حکم اور علم دیا اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی کرنے والوں کو۔

اس کے بعد ان کے اوپر امتحان آئے لیکن اللہ رب العزت نے ان کو امتحان میں کامیاب فرما دیا۔ بالآخر اسی حسن و جمال کی وجہ سے ان کو قید میں جانا پڑا۔نو سال تک قید کی مشقّت اٹھائی۔ نہ تو ان کے پاس بہن بھائی تھے اور نہ ہی ماں باپ۔نو سال گزارنے کے بعد جب قید سے باہر نکلے تو اپنے حسن کی وجہ سے نہیں نکلے بلکہ اپنے علم کی وجہ سے نکلے۔اسی لئے جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ ملک کی کیسے حفاظت کریں گے تو فرمانے لگے،

اِجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ۝ (یوسف:55) مجھے خزانوں پر نگران مقرر کر دیجئے، میں حفاظت کرنے والا ہوں اور علم والا ہوں۔

یہ نہیں کہا کہ مجھے خزانوں کا والی بنا دیجئے کیونکہ انی حسین جمیل میں بڑا خوبصورت ہوں۔

اس سے پتہ چلا کہ عزتیں خوبصورتی کی وجہ سے نہیں ملتیں بلکہ علم کی وجہ سے ملتی ہیں۔یاد رکھئے کہ انسان

کی شکل وصورت کی اللہ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔حدیث پاک میں آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَمْوَالِکُمْ وَ لٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ اَعْمَالِکُمْ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتے تمہاری صورتوں کو اور نہ تمہارے مال پیسے کو، بلکہ وہ دیکھتے ہیں تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دل اللہ کی محبّت سے بھر لیں۔محبّت والوں کے پاس بیٹھنے سے یہ محبّت بڑھ جاتی ہے اور غفلت میں پڑ جانے سے یہ محبّت گھٹ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حسن و جمال.....!!!

یاد رکھئے کہ مخلوق میں سے سب سے زیادہ حسن حضرت یوسفؑ کو دیا گیا۔لیکن اس حسن کو اللہ رب العزت کے حسن کے ساتھ کیا نسبت ہوسکتی ہے۔حضرت یوسفؑ کے بارے میں حدیث پاک میں آیا ہے کہ ان کو ساری مخلوق کے برابر کا حسن دیا گیا۔یعنی اللہ نے مخلوق میں جتنا حسن تقسیم کیا اس میں سے ساری مخلوق کو آدھا حصہ ملا اور باقی آدھا حصہ حضرت یوسفؑ کو ملا۔نصف حصے کے پانے کے بعد ان کو ایسا حسن ملا تھا کہ دیکھنے والیوں نے جب دیکھا تو وہ کہہ اٹھیں،

حَاشَ لِلّٰہِ مَا ھٰذَا بَشَرًا ط اِنْ ھٰذَآ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ ○ (یوسف:31) یہ انسان نہیں، یہ تو ہمیں کوئی مقدس فرشتہ نظر آتا ہے۔

مخلوق کے حسن کا اختتام یہ ہے کہ دیکھنے والوں نے اسے کوئی فرشتہ سمجھا۔اب اللہ کے حسن کے ساتھ بھلا فرشتوں کے حسن کو کیا نسبت ہے۔اللہ کا حسن تو بے مثال ہے۔وہ پروردگار جس نے حسن کو پیدا کیا بھلا اس کے اپنے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا۔حدیث پاک میں آیا ہے:

اَللّٰہُ جَمِیْلٌ اللہ رب العزت خوبصورت ہیں۔

اللہ رب العزت کے جمال کے جلوے کیا ہوں گے، یہ تو قیامت کے دن جنت میں جا کر ایمان والوں کو نظر آئیں گے۔ دنیا میں تو ہم ان جلووں کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ البتہ اتنی بات آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے اور حور وغلمان کے حسن و جمال کو دیکھیں گے تو اتنے حیران ہوں گے کہ ان کو پانچ سو سال تک ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہ جائیں گے پھر جب جنتی جنت میں رہنا شروع کریں گے اور بالآخر اللہ رب العزت جنتیوں کو اپنا دیدار عطا فرمائیں گے تو حدیث پاک میں آیا ہے کہ دیدار الٰہی کے وقت جنتیوں کے اوپر نور کی آندھی چلے گی۔ جیسے دنیا میں آندھی چلتی ہے تو مٹی کی تہہ ہر انسان کے چہرے پر آجاتی ہے اسی طرح جنت میں بھی نور کی آندھی چلے گی اور نور کی ایک تہہ جنتیوں کے چہرے پر آجائے گی۔ اس نور کی وجہ سے جنتیوں کے چہرے کا حسن اتنا بڑھ جائے گا کہ جب یہ جنتی لوٹ کر اپنے گھروں میں آئیں گے تو ان کی حوریں اور غلمان ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر پانچ سو سال تک ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہ جائیں گے۔ مالک! تیرے حسن و جمال کا بھی کیا عالم ہوگا کہ جو آپ کا دیدار کرے گا جنتی مخلوق بھی پانچ سو سال تک اس کے حسن و جمال کو تعجّب کے ساتھ دیکھتی رہ جائے گی اور ان کو وقت گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔

حضرت موسیٰؑ پر تجلّیِ الٰہی کا اثر:

جب حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر گئے تو وہاں پر چالیس دن ٹھہرے اور انہیں اللہ رب العزت کا دیدار نصیب ہوا۔ اس وقت اللہ رب العزت نے ستر ہزار پردوں میں سے تجلّی ڈالی۔ اس کے باوجود کوہ طور جل کر سرمہ کی مانند بن گیا اور حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ان کو نہ آگ لگی اور نہ ہی موت آئی کیونکہ

استعداد میں فرق تھا۔ آپ کے قلب کے اندر اللہ رب العزت کی محبّت کی اور تجلّیات کو قبول کرنے کی استعداد تھی اور اس پہاڑ کے اندر استعداد نہیں تھی اس لئے وہ جل گیا اور حضرت موسیٰؑ پر فقط غشی کی سی کیفیت طاری ہوئی۔

تفسیر درمنثور میں لکھا ہے،

لَمَّا كَلَّمَ مُوْسىٰ رَبَّهٗ عَزَّ وَجَلَّ مَكَثَ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا لَا يَرٰهُ اَحَدٌ اِلَّا مَاتَ مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ جب موسیٰؑ نے اپنے رب سے کلام کیا تو چالیس دن تک ٹھہرے رہے، (اس کے بعد) کوئی بھی ان (کے چہرے) کو نہیں دیکھ سکتا تھا، اگر کوئی دیکھتا تھا تو دیکھتے ہی اس آدمی کو موت آجاتی تھی۔

چنانچہ حضرت موسیٰؑ اپنے چہرے کو چھپائے رکھتے تھے۔ حتی کہ ان کی اپنی بیوی بھی ان کا چہرہ دیکھنے کو ترستی تھی اور وہ نہیں دیکھنے دیتے تھے۔ اس لئے کہ ان کی آنکھوں میں وہ حسن اور نور آگیا تھا کہ اس تجلّی کو دیکھنے کے بعد دیکھنے والا ان کے حسن کی تاب نہ لاکر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا تھا۔ سبحان اللہ! جس نے پروردگار کے حسن و جمال کو ستر ہزار پردوں میں دیکھا اس کے چہرے کا حسن اتنا بڑھ گیا کہ مخلوق اس کا بھی دیدار کرنے کی استعداد نہیں رکھتی تھی۔

دار قطنی میں طبرانی کی روایت ہے کہ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ قَالَ لَمَّا كَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُبْصِرُ النَّمْلَ عَلَى الصَّفَا فِي اللَّيْلَةِ الْمُظْلِمَةِ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ نے اللہ رب العزت کا دیدار کیا تو ان کی آنکھوں میں ایسی بینائی آگئی کہ کالی رات میں چلنے والی چیونٹی کو بھی صاف طور پر دیکھ لیا کرتے تھے۔

جمال یوسف کی تجلّی تو ہزاروں مرتبہ دنیا میں ہوئی مگر دنیا میں کوئی فرق نہ آیا اور جمال مولیٰ کی تجلّی تو ایک ہی ہوئی تھی جس کی وجہ سے کوہ طور سرمہ کی مانند بن گیا۔ جن لوگوں نے حسن یوسف کا نظارہ کرنے والیوں کو دیکھا ان پر کوئی اثر نہ پڑا لیکن اے مالک! تیرے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا کہ جن پر آپ کی تجلّی کوہ طور سے منعکس ہوکر پڑی ان کا حسن اتنا بڑھ گیا کہ کوئی دوسرا ان کو دیکھ نہیں سکتا تھا اور ان کی بینائی ایسی بڑھ گئی تھی کہ اندھیرے میں بھی چلتی ہوئی کالی چیونٹی کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ آنکھ جتنی تیز روشنی کو دیکھتی ہے اتنی زیادہ بینائی کی قوت متأثر ہوکر زائل ہوتی جاتی ہے۔ لیکن یہ تجلّی حسن الٰہی کا معجزہ تھا کہ بینائی اور زیادہ ہوگئی۔

تجلّیٔ الٰہی کی برکات:

اللہ رب العزت نے جب کوہ طور پر اپنی تجلّی ڈالی تو اس وقت کی کیفیت روح البیان میں یوں لکھی ہوئی ہے:

عذب کل ماء وافاق کل مجنون وبرأ کل مریض و زال الشرك عن الاشجار واخضرت فی الارض واظهرت وحمنت نيران المجوس وخرت الاصنام بوجوههن وانقطعت اصوات الملئكة وجعل الجبل ينهدم و ينحال۔ ہر کھارا پانی میٹھا ہوگیا، ہر مجنون آدمی کا جنون ختم ہوگیا، ہر مریض کی بیماری کو شفا مل گئی، کانٹے درختوں سے نیچے گر گئے، زمین ساری کی ساری سرسبز ہوگئی اور خوبصورت ہوگئی، مجوسیوں کی آگ بجھ گئی، دنیا کے سارے بت اپنے منہ کے بل زمین پر گر گئے، ملائکہ کی آوازیں رک گئیں اور پہاڑ اپنی جگہ پر لرز گئے۔

اللہ رب العزت کے جمال کے وقت مخلوق کی یہ کیفیت تھی۔ جس محبوب کا جمال ایسا ہو پھر ہمیں اس

محبوب کے دیدار کے لئے کوششیں کیوں نہیں کرنی چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ کی ناقدری:

کئی مرتبہ بندہ اللہ رب العزت کے دیدار کی لذت کی بجائے مخلوق کے دیدار کے پیچھے پریشان پھر رہا ہوتا ہے۔ہم نے حسن باقی کے بدلے حسن فانی کو چنا تو ہم نے گویا اللہ رب العزت کی ناقدری کی۔ حیرت اور غیرت کا مقام ہے کہ لوہا لعل بدخشاں کی طرف بھی توجہ نہیں کرتا اور ہم اللہ رب العزت جیسی خوبصورت ہستی کو چھوڑ کر دنیا کے مختلف چہروں کی طرف محبّت بھری نگاہیں ڈال رہے ہوتے ہیں۔

میرے دوستو! جنہوں نے پروردگار کی قدردانی کی پروردگار نے ان کو عزتیں دیں۔آج ہم لوگ اللہ رب العزت کی طرف سے توجہ ہٹا کر مخلوق کی طرف کئے پھرتے ہیں۔اس لئے زندگی سے پریشانیاں ختم نہیں ہوتیں۔جس طرح کولہو کا بیل چل رہا ہوتا ہے اس طرح ہم بھی پریشانیوں کا پٹہ ڈالے زندگی گزارتے پھر رہے ہیں۔یہ سب کچھ ہمیں بتا رہا ہے کہ ہمیں اپنی توجہ کا قبلہ درست کرنے کی ضرورت ہے۔لوگوں نے ہر چیز کی قدر کی، اگر ناقدری کی تو اپنے پروردگار کی کی۔یہ کتنی عبرت کی بات ہے کہ اللہ رب العزت جیسی ہستی کو فرمانا پڑا۔

وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الانعام:91) اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی۔

جی ہاں، محبّت والوں کو یہ چیز بہت بری لگتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ناقدری:

سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے نہ تو اللہ رب العزت کی قدر کی اور نہ ہی اس کے رسول ﷺ کی۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بڑے عجیب انداز میں فرماتے ہیں:

یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ○ (یٰسٓ:30)

حسرت ہے بندوں پر، ان کے پاس کوئی ایسے رسول نہیں آئے کہ انہوں نے ان کا مذاق نہ اڑایا ہو۔ پہلے دور میں انبیائے کرام کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور آج کے زمانے میں ان کی سنتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ آج کسی گھر میں کوئی نوجوان اپنے چہرے پر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سنت کا نور سجا لے

......ذرا اس کی ماں کے تاثرات سن لیجئے

......اس کی بہنوں کے فقرات سن لیجئے

......اس کے دوسرے رشتہ داروں کی ہرزہ سرائی سن لیجئے

حالانکہ یہ سارے کلمہ گو ہوں گے۔ ہم نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سنتوں کی کیا قدر کی؟

کلام اللہ کی ناقدری:

انسان تو ایسا ناقدرا ہے کہ یہودی تھوڑے سے مال کی خاطر پروردگار کے کلام کو تبدیل کر دیا کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ کا صحیح کلام یہ ہے لیکن دنیا کے چند ٹکوں کی خاطر اللہ کے کلام کو بدل دیتے تھے۔ اے انسان! ایک ہندو عورت اپنے مردہ خاوند کے پیچھے مر کر جان دے دیتی ہے مگر تیرے لئے زندہ خدا کے پیچھے اپنی جان کو دے دینا کیوں مشکل ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اپنے پروردگار پر قربان ہو جائیں۔

حسن لیلیٰ کی حیثیت:

مجنوں کو لیلیٰ کے ساتھ ایک تعلّق تھا۔ لیلیٰ کا نام لیلیٰ اس لئے تھا کہ وہ لیل (رات) کی طرح کالی تھی۔ ایک مرتبہ مجنوں کے سامنے ایک خوبصورت عورت پیش کی گئی، اس نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ

دیکھا۔سوچنے کی بات ہے کہ مجنوں کالی عورت کی محبّت میں ایسا پھنسا کہ وہ خوبصورت گوری عورتوں کو بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا اور ہم اللہ رب العزت کے کیسے عاشق ہیں کہ اللہ رب العزت جیسی حسن و جمال والی ہستی کو چھوڑ کر کالی کلوٹی شخصیتوں کے پیچھے نظریں دوڑاتے پھر رہے ہوتے ہیں۔بھلا حسن مولیٰ کے ساتھ حسن لیلیٰ کو کیا نسبت ہوسکتی ہے؟

.....کوئی زمین اور آسمان کی مثال دے تو وہ ہرگز ٹھیک نہیں ہے،

.....کوئی دونوں میں عرش اور فرش کا فرق بیان کرے تو وہ بھی بعید از قیاس ہے۔

.....کوئی قطرہ اور سمندر کی مثال دے تو وہ بھی کہانی غلط ہے۔اور

.....آفتاب اور ذرہ کی نسبت ٹھہرائے تو وہ بھی درست نہیں ہے۔

مخلوق کے حسن و جمال کو اللہ رب العزت کے حسن و جمال کے ساتھ کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ہمیں چاہیے کہ ہم پروردگار حقیقی کے طالب بن کر زندگی گزارنے لگ جائیں۔

عشق کے تین امتحان:

عشق الٰہی کے میدان مین سیدنا ابراہیمؑ نے راسخ قدم رکھا۔اللہ تعالیٰ نے جب ان کو آزمایا تو وہ اس آزمائش میں کامیاب ہوگئے۔اسی حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا۔

وَ اِذِابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ (البقرہ:124) اور یاد کرو اس وقت کو جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں،اور وہ اس میں کامیاب ہوا۔

ہمارے حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے کہ فَاَتَمَّهُنَّ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس میں Cent per cent (سو فیصد) کامیاب ہوئے۔اب آپ کی خدمت میں ان چند باتوں کی تفصیل پیش کرتا ہوں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

کتابوں میں لکھا ہے کہ

اوحی اللہ تعالیٰ الی نبیہ ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یا ابرھیم انک لی خلیل فاحذر ان اطلع علی قلبک فاجد مشغولا بغیری فیقطع حبک منی فانی انما اختار لحبی من لو احرقتہ باالنار لم یلتفت قلبہ عنی۔

اللہ رب العزت نے اپنے نبی ابراہیمؑ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اے ابراہیم! آپ میرے خلیل ہیں، اس بات سے پرہیز کرنا کہ میں آپ کے قلب کی طرف توجہ کروں اور میں آپ کے قلب کو کسی غیر کے ساتھ مشغول پاؤں، اس لئے کہ جس کو میں اپنی محبّت کے لئے چن لیتا ہوں تو وہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو آگ بھی جلا دے تو بھی اس کا قلب میری طرف سے دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ زندگی میں وہ وقت بھی آیا جب نمرود نے آپ کو آگ میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ تفاسیر میں اس آگ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ان لکڑیوں کو ایک ہی وقت میں آگ لگائی گئی۔ جب ساری لکڑیاں جلنے لگیں تو نمرود اس سوچ میں پڑ گیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں کیسے ڈالے۔ بالآخر شیطان نمرود کے پاس آیا اور اس نے سمجھایا کہ ایک جھولا بنا لیجئے اور اس میں بٹھا کر ان کو آگ مین پھینک دیجئے، اس طرح یہ آگ کے وسط میں جا کر گریں گے۔ چنانچہ اس نے جھولا بنوالیا اور آپ کو اس میں بٹھا کر آگ میں پھینک دیا گیا۔

ابھی حضرت ابراہیمؑ کا جھولا ہوا میں ہی تھا کہ فرشتے تعجّب سے کہنے لگے، اے اللہ! ابراہیمؑ کے دل میں آپ کی کتنی محبّت ہے، آپ کی محبّت کیوجہ سے آگ میں ڈالے جا رہے ہیں، انہوں نے اسباب کی کوئی

پروانہیں کی، اے اللہ! ان کی مدد فرما دیجئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا،

''تم لوگ ان کے پاس چلے جاؤ اور اپنی مدد پیش کر لو، پھر میرا خلیل قبول کر لے تو تم مدد کر دینا، ورنہ خلیل جانے اور خلیل کا رب جلیل جانے، کیونکہ یہ میرا اور میرے خلیل کا معاملہ ہے''۔

چنانچہ فرشتوں نے ابرہیمؑ کے پاس آ کر مدد کی پیش کش کی مگر آپ علیہ السّلام نے ان کی بات سن کر فرمایا،

لَا حَاجَةَ لِیْ اِلَیْکُمْ مجھے تمہاری کوئی حاجت نہیں۔

پھر حضرت جبرئیلؑ حاضر خدمت ہوئے اور امداد پیش کی۔ حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا، جبرائیل! کیا آپ اپنی مرضی سے آئے ہیں یا اللہ رب العزت نے بھیجا ہے؟ جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ میں آیا تو اللہ کی مرضی سے ہوں مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ اگر وہ مدد کو قبول کریں تو مدد کر دینا۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا، نہیں، جب میرے اللہ کو میرے حال کا پتہ ہے تو پھر مجھے یہی کافی ہے کہ پروردگار جانتا ہے کہ ابراہیم کس حال میں ہے، میرا مالک اور میرا محبوب جانتا ہے کہ مجھے اس کے نام پر آگ میں ڈالا جا رہا ہے لہٰذا میں آگ میں جانا ہی پسند کروں گا۔

جب فرشتے واپس چلے گئے تو اللہ رب العزت نے آگ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا

یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ (الانبیاء:69) اے آگ! میرے ابراہیم پر سلامتی والی ٹھنڈک والی بن جا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آگ کو گل و گلزار بنا دیا۔

بے آب و گیاہ وادی میں:

جب حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش ہو گئی تو اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیمؑ کو فرمایا،

''اے میرے پیارے خلیل! آپ اپنی بیوی کو بے برگ و گیاہ وادی کے اندر چھوڑ آئیے''۔

چنانچہ آپ اپنی بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور بچے حضرت اسماعیلؑ کو بیت اللہ کے قریب جہاں پانی اور سبزہ کا نام ونشان بھی نہیں تھا چھوڑ دیتے ہیں۔کوئی بات بھی نہیں کرتے اور پھر واپس ملک شام جانے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں..... یہ کوئی آسان کام نہیں تھا، ذرا تصور کر کے دیکھئے کہ اپنی بیوی کو اکیلے مکان میں چھوڑ کر آنے کے لئے بندے کا دل آمادہ نہیں ہوتا حالانکہ شہر کے اندر ہوتا ہے۔ پھر اپنی بیوی اور بچے کو ایسے ویرانہ میں چھوڑ دینا جہاں پینے کو پانی بھی نہ ملے اور ہر طرف پتھر ہی پتھر نظر آئیں، کتنی بڑی آزمائش ہے..... جب اللہ کے حکم سے ان کو چھوڑ کر واپس آنے لگے تو بیوی نے پوچھا، آپ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ مگر آپؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ پوچھا کہ آپ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ مگر پھر بھی آپؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بھی آخر نبیؑ کی صحبت یافتہ تھیں، چنانچہ تیسری بار پوچھنے لگیں، کیا آپ ہمیں اللہ کے حکم سے یہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ آپ نے جواب دینے کی بجائے سر ہلا دیا کہ ہاں میں اللہ کے حکم سے آپ کو یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب اس نیک بیوی نے یہ سنا تو کہنے لگیں، اگر آپ ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں کبھی ضائع نہیں فرمائیں گے۔ پھر آپؑ اپنی بیوی کو چھوڑ کر وہاں سے واپس ملک شام چلے گئے۔

سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آداب فرزندی

اپنی جان دینا آسان ہوتا ہے لیکن اپنے سامنے اپنے بچے کو مرتے دیکھنا اس سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ اسی لئے تو بچے کو بچانے کے لئے ماں باپ آجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے ہمیں مارو پھر بچے کو ہاتھ لگانا۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کا آگ میں ڈالے جانے والا امتحان ایک درجہ پیچھے تھا اور اولاد کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنا اس سے بھی ایک درجہ آگے تھا۔

حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی اور بچے کو ملنے کے لئے ملک شام سے مکہ مکرمہ آئے۔ آپؑ نے آٹھ ذوالحج کی رات کو خواب دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو اللہ کے نام پر ذبح کر رہا ہوں۔ آپ صبح اٹھے تو سوچنے لگے کہ شاید قربانی مطلوب ہے۔ چنانچہ آپ نے ستر اونٹ اللہ کے راستے میں قربان کر دیئے۔ پھر نویں کی شب کو پھر وہی خواب دیکھا۔ چنانچہ دوسرے دن بھی ستر اونٹ قربان کر دیئے۔ لیکن دسویں کی رات کو پھر وہی خواب دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو اللہ کے نام پر قربان کر رہا ہوں۔ جب تیسری بار یہی خواب دیکھا تو واضح طور پر سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کو میرے بیٹے کی ہی قربانی مطلوب ہے۔ چنانچہ آپؑ نے مصمّم ارادہ کر لیا کہ اب میں نے اپنے سات سالہ بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا ہے۔

چنانچہ جب صبح ہوئی تو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بچے کو پیار کیا اور کہا، بیٹا! میرے ساتھ چلو۔ بیوی نے پوچھا، کہاں؟ آپؑ نے فرمایا، کسی بڑے کی ملاقات کرنی ہے.....نام نہ بتایا کیونکہ وہ بالآخر ماں ہے، ممکن ہے کہ قربانی کا نام سن کر اس کا دل پسیج جائے اور اس کی آنکھوں سے آنسو آجائیں اور صبر وضبط میں کچھ فرق پڑ جائے۔ چنانچہ موٹی سے بات کر دی کہ کسی بڑے کی ملاقات کے لئے جانا ہے..... بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماعیلؑ کو نہلا دیا، سر پر تیل بھی لگایا اور کنگھی بھی کر دی۔ لیکن ان کو معلوم نہیں تھا کہ آج میرا بیٹا کس آزمائش میں جا رہا ہے۔ البتہ روانہ ہوتے وقت حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو کہہ دیا، بیٹا! ایک رسی اور چھری بھی لے لو۔ اس نے پوچھا، ابا جان! رسی اور چھری کس لئے لینی ہے؟ فرمایا، بیٹا! جب بڑے سے ملاقات ہوتی ہے تو پھر قربانیاں بھی دینی پڑتی ہیں۔ بیٹا سمجھا کہ شاید کسی جانور کو قربان کریں گے۔ یوں حضرت ابراہیمؑ اپنے لخت جگر کو قربان کرنے کے لئے گھر سے چل پڑے۔

جب وہ اپنے گھر سے چلے گئے تو پیچھے شیطان ملعون بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہنے لگا،

تجھے پتہ بھی ہے کہ آج تیرے بیٹے کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ انہوں نے پوچھا، کیا؟ وہ کہنے لگا، تیرا خاوند تیرے بیٹے کو ذبح کر دے گا۔ انہوں نے کہا، بوڑھے! تیری عقل چلی گئی، کبھی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے؟ وہ کہنے لگا، ہاں، ان کو اللہ کا حکم ہوا ہے۔ جب اس نے یہ کہا کہ ہاں ان کو اللہ کا حکم ہوا ہے تو بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں، اگر اللہ کا حکم ہوا ہے تو میرے بیٹے کو قربان ہونے دو کیونکہ اگر میرے بارے میں اللہ کا حکم ہوتا تو میں بھی اس کے راستے میں قربان ہونے کے لئے تیار ہو جاتی۔

جب شیطان کا بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کوئی بس نہ چلا تو وہ راستے میں حضرت اسماعیلؑ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا، سناؤ! تم کہاں جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا، کسی بڑے کی ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔ وہ کہنے لگا، ہرگز نہیں، تجھے ذبح کر دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا، یہ کیسے ہو سکتا ہے، کوئی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے؟ کہنے لگا، ہاں اللہ کا حکم ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کہنے لگے، اگر اللہ کا حکم ہے تو میں حاضر ہوں۔ چنانچہ شیطان پھرنا کام ہوا۔

پھر راستے میں حضرت ابراہیمؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا، بیٹے کو کیوں ذبح کرتے ہو، کبھی خواب کے پیچھے بھی کوئی اپنی اولاد کو ذبح کرتا ہے، دیکھئے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا لیکن آج تک اس کا نام رسوائے زمانہ مشہور ہے، اگر آپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں گے تو کہیں آپ کا نام بھی ایسے ہی برا نہ مشہور ہو جائے، لہٰذا ایسا کام ہرگز نہ کرنا۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا، ارے بدبخت! معلوم ہوتا ہے کہ تو شیطان ہے، قابیل نے تو اپنی نفسانی خواہش کی وجہ سے بندے کو مارا تھا اور میں تو رحمانی خواب کو پورا کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو قربان کرنا چاہتا ہوں، میرے خواب کا اس کے عمل کے ساتھ کوئی تعلّق واسطہ بھی نہیں ہے، قابیل تو عورت کا وصل چاہتا تھا اور میں پاک پروردگار کا وصل چاہتا ہوں، لہٰذا میں آج اپنے بیٹے کی قربانی دے کے دکھاؤں گا۔

اس کے بعد جب حضرت ابراہیمؑ آگے بڑھے تو شیطان آکر راستے میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا، میں نہیں جانے دیتا۔ اس وقت انہوں نے سات کنکریاں اٹھا کر شیطان کو ماریں اور اللہ تعالیٰ نے وہاں سے شیطان کو بھگا دیا۔ جہاں اسے حضرت ابراہیمؑ نے کنکریاں ماریں اس جگہ کا نام جمرۂ اولیٰ پڑ گیا۔ پھر دوسری جگہ پر جا کر راستہ روکا اور حضرت ابراہیم علیہ السّلامؑ نے وہاں بھی اس کی رمی جمار کی۔ شیطان پھر بھاگ گیا۔ اس جگہ کا نام جمرۂ وسطیٰ پڑ گیا۔ پھر تیسری جگہ بھی اس کو کنکریاں لگیں اور اس جگہ کا نام جمرۂ عقبہ پڑ گیا۔

جمرۂ عقبہ سے آگے حضرت اسماعیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا، ابا جان! آپ نے فرمایا کہ بڑے کی ملاقات کے لئے جانا ہے، بتائیے کہ اس بڑے کی ملاقات کب ہوگی؟ اب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو ساری بات بتائی کہ

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى (الصّٰفّٰت:102) اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، بتا تیری کیا رائے ہے؟

بیٹا بھی جد الانبیاء کے گھر کا چشم و چراغ تھا اور بعد میں منصب رسالت پر فائز ہونے والا تھا، اس لئے کم سنی کے باوجود سر تسلیم خم کرتے ہوئے نہایت ہی ادب سے عرض کرنے لگے،

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (الصّٰفّٰت: 102) اے ابا جان! کر گزریئے جس بات کا آپ کو حکم ہوا ہے، آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔

سبحان اللہ! جب باپ کے دل میں محبّت الٰہی کا جذبہ موجزن ہوتا ہے تو پھر گھر کے دوسرے افراد کے اندر بھی اس کے نمونے نظر آتے ہیں.... جب بیٹے نے یہ جواب دیا تو حضرت ابراہیمؑ ان کو ذبح کرنے کے

لئے تیار ہو گئے۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے،

''ابا جان! میں آپ سے چار باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں''۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا، میرے بیٹے! تم مجھے بتاؤ کہ تم اس وقت مجھے کیا کہنا چاہتے ہو؟ عرض کیا، ابا جان! پہلی بات تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ چھری کو اچھی طرح تیز کر لیجئے، ایسا نہ ہو کہ چھری کند ہو اور مجھے ذبح کرنے میں زیادہ وقت لگ جائے۔ میں نے جب اللہ کے نام پر ہی جان دینی ہے تو چھری تیز ہونے کی وجہ سے میری جان جلدی نکلے گی اور میں جلدی اللہ سے واصل ہو جاؤں گا''

یہ بات سن کر حضرت ابراہیمؑ نے چھری اور بھی تیز کر لی اور پوچھا، بیٹا! دوسری بات کونسی ہے؟ بیٹے نے عرض کیا،

''ابا جان! میں چھوٹا ہوں، آپ مجھے رسی سے باندھ دیجئے''۔

چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے ان کو رسی سے باندھ دیا اور پوچھا، بیٹا! تیسری بات کون سی ہے؟ بیٹے نے عرض کیا،

''ابا جان! جب آپ مجھے ذبح کریں گے تو آپ میرا چہرہ اوپر آسمان کی طرف نہ کرنا، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے سجدہ کی حالت میں موت آئے۔ ویسے بھی جب آپ کی طرف میری پیٹھ ہو گی تو آپ کے دل میں محبّت پدری بھی جوش نہیں مارے گی''۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا، بیٹا! میں یہ بھی کر دوں گا۔ آپ اور کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟ عرض کیا،

''ابا جان! جب آپ مجھے ذبح کر چکیں تو آپ میرے کپڑے میری والدہ کو دکھا دینا اور کہنا کہ آپ کا بیٹا اللہ کے نام پر کامیاب ہو گیا ہے''۔

حضرت اسماعیلؑ کی چوتھی بات پر حضرت ابراہیمؑ رو پڑے اور اللہ رب العزت سے فریاد کی،

''اے اللہ! آپ نے مجھے بڑھاپے میں اولاد دی اور اب اس معصوم بچے کی قربانی مانگتے ہیں، اے اللہ! اپنے خلیل پر رحم فرمانا اور اس بچے پر بھی رحم فرما دینا جو قربانی کے لئے تیار ہے''۔

پھر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو اوندھے منہ لٹا کر ان کے گلے پر چھری رکھ دی۔ وہ ان کو ذبح کرنا چاہتے ہیں مگر چھری ان کو ذبح نہیں کرتی۔ اللہ رب العزت نے جبرائیلؑ کو حکم دیا،

''اے جبرائیل! جاؤ اور چھری کو تھام لو، اگر رگوں میں سے کوئی رگ کٹ گئی تو فرشتوں کے دفتر سے تمہارا نام نکال دوں گا''۔

چنانچہ جبرائیلؑ آ کر چھری کو تھام لیتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ چھری کو چلانے کی پھر کوشش کرتے ہیں۔ لیکن چھری نہیں چلتی۔ پھر اپنا پورا بوجھ اس کے اوپر ڈال دیتے ہیں مگر چھری نے بچے کو پھر بھی ذبح نہ کیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ غصے میں آ کر چھری سے کہتے ہیں، اے چھری! تو کیوں نہیں چلتی؟

چھری نے جواب میں پوچھا،

''اے ابراہیم خلیل اللہ! جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا تو آپ کو آگ نے کیوں نہیں جلایا تھا''؟

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا،

'' آگ کو اللہ کا حکم تھا کہ میرے ابراہیم کو نہیں جلانا''۔

پھر چھری کہنے لگی،

''اے ابراہیم خلیل اللہ! آپ مجھے ایک مرتبہ کہتے ہیں کہ گلے کو کاٹو اور اللہ تعالیٰ مجھے ستر مرتبہ کہہ رہے ہیں کہ ہرگز نہیں کاٹنا، اب بتائیں کہ میں گلا کیسے کاٹ سکتی ہوں''۔

اللہ رب العزت کی شان دیکھئے کہ اس نے حضرت اسماعیلؑ کو زندہ بچا لیا اور ان کی بجائے ایک مینڈھا قربان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اللہ نے ان کے بیٹے کو محفوظ بھی فرما لیا

اور فرمایا وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (الصّٰفّٰت:107) اس کی جگہ ہم نے ایک بڑی قربانی دے دی۔
مفسّرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''عظیم'' کا لفظ اس لئے ارشاد فرمایا کہ حضرت اسماعیلؑ کی پیشانی میں دو نبوتوں کا نور تھا۔ ایک اپنی نبوت کا اور ایک سیدنا رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ (الصّٰفّٰت:106) بے شک یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔
پھر فرمایا، سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الصّٰفّٰت:109) اے ابراہیم! تجھ پر سلامتی ہو۔
یعنی اے ابراہیم! تجھے شاباش ہو۔ ابراہیم! تو جیتا رہے کہ تو نے ایسی قربانی کر کے دکھائی۔
اللہ رب العزت نے اپنے خلیل کی اتنی حوصلہ افزائی فرمائی کہ فرمایا:
وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ (الصّٰفّٰت:108) اور ہم نے آنے والوں میں اس عمل کو جاری کر دیا۔
یعنی اے ابراہیم! ہمیں تیرا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ ہم تیرے اس عمل کو قیامت تک سنت بنا کر جاری کر دیں گے.....دیکھئے، جو عشق حقیقی میں کامیاب ہوتے ہیں اللہ رب العزت کی طرف سے ان کو یوں عزتیں ملتی ہیں،.....آج بھی ایمان والوں کی زندگیوں میں محبّت الٰہی کے آثار نظر آتے ہیں۔ کتنی مائیں ہیں جو آج کے دور میں بھی اپنے بیٹوں کو دین اسلام کی سربلندی کے لئے میدان جہاد میں بھیجتی ہیں اور کہتی ہیں کہ جائیے اور اپنی جان قربان کر دیجئے۔

ماں ہو تو ایسی:

ہمارے اسی شہر (جھنگ) سے تعلّق رکھنے والا ایک نوجوان چند دن پہلے میدان جہاد میں شہید ہوا۔ جب اس کا جنازہ پڑھایا جانے لگا تو اس کی والدہ نے کہا،

''میرا ایک بیٹا شہید ہوا ہے، تین بیٹے اور بھی موجود ہیں' میرا جی چاہتا ہے کہ باقی تین بھی اللہ کے راستے میں شہید ہو جائیں''۔

دیکھئے ایمان والوں کے دل میں اللہ رب العزت کی کیسی محبّتیں ہیں کہ آج بھی ایمان والی عورتیں تمنائیں کرتی ہیں کہ ہمارے بیٹے اللہ کے دین کی خاطر جان دے دیں۔

ذکر الٰہی کی اہمیت

میرے عزیز دوستو! اس ذکر اللہ سے ذات الٰہی کی محبّت پیدا ہوتی ہے۔اس ذکر کا مطلب فقط گنتی کر کے عدد پورے کرنا نہیں بلکہ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبّت پیدا ہو جائے۔

اشتیاق حق بود ذکر دلت کوشش تا گردد ترا ایں حاصلت

حق کا عشق تیرے دل کا ذکر ہے۔پس کوشش کر کہ یہ تجھے حاصل ہو جائے۔

جب محبّت الٰہی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر انسان کے لئے عبادات آسان ہو جاتی ہیں۔اس کے لئے قربانیاں دینا آسان ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو لگام دینی آسان ہو جاتی ہے۔اسی لئے فرمایا،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ:165) اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبّت ہوتی ہے۔

محبّت الٰہی وہ نعمت ہے جو اللہ کے محبوب ﷺ نے اللہ سے مانگی۔آپ ﷺ تہجّد کی نماز میں فرماتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبّت کا سوال کرتا ہوں اور جو آپ سے محبّت کرتے ہیں میں ان کی بھی محبّت کا سوال کرتا ہوں۔

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اللہ رب العزت سے اس کی محبّت کا سوال کیا کریں۔یاد رکھئے کہ

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی

جب انسان کے دل میں آشنائی کی لذت آجاتی ہے تو دنیا سے انقطاع ہو جاتا ہے اور انسان کی نگاہیں اللہ رب العزت کی ذات پر جم جایا کرتی ہیں۔اسی طرح اس کی توجہ کا قبلہ ایک بن جایا کرتا ہے۔وہ لا کی تلوار سے ماسوٰی پر چھری پھیر دیتا ہے۔اس کے دل میں اللہ آجاتے ہیں،اس کے دل میں اللہ سما جاتے ہیں، بلکہ اس کے دل میں اللہ رب العزت چھا جاتے ہیں۔اس کو فنائے قلب کہتے ہیں۔اسی کو حاصل کرنے کیلئے میں اور آپ اس کے طلب گار ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت سے یوں مانگیں کہ رب کریم! ہمیں اپنی ایسی یاد عطا فرمادے جس کی وجہ سے ہماری پوری زندگی اس کے حکموں کے مطابق ہو جائے۔

یاد رکھیں کہ جو طلب کرتا ہے وہ پالیتا ہے۔حضرت خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں

''سالک جب تک ہالک نہ بنے، کام نہیں ہوتا''۔

یعنی سالک اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے درپے ہو جائے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان پر ذکر کی کوئی بندش نہیں لگائی۔بلکہ فرمایا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (الاحزاب:41) اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو۔

دوسری جگہ فرمایا، وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ (الاحزاب:35) اور کثرت کے ساتھ ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے ذکر کے لئے کثرت کا لفظ ارشاد فرمایا۔اور کثرت اس کو نہیں کہتے کہ ہم پانچ منٹ یا دس منٹ کا مراقبہ کریں۔جب منٹوں کے چکر سے نکل جائیں گے اور ذکر الٰہی کو زندگی کا

مقصد بنالیں گے تو پھر اللہ رب العزت بھی ہم پر رحمت فرمادیں گے۔ جس طرح شیخ صاحب ☆ دامت برکاتہم نے کتنی عجیب بات ارشاد فرمائی کہ

''بادشاہ اپنے دیدار کے لئے انتظار کروایا کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مراقبہ کی شکل میں اس انتظار کی روزانہ توفیق عطا فرمادے۔ اگر آج ہم نے یہ بات دل میں پکی کرلی تو گویا ہمارا یہاں آنے کا مقصد پورا ہوگیا۔ انسان اللہ تعالیٰ سے اس کی محبّت کا یوں سوال کرے، اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ مِنْکَ اے اللہ! میں آپ سے آپ ہی کو چاہتا ہوں۔

اگر انسان کے دل میں یہ طلب پیدا ہوجائے تو پھر دیکھنا کہ عبادات کی کچھ اور ہی کیفیت ہوگی۔

☆ زندگی میں سے گناہ ختم ہوجائیں گے

☆ اور اللہ رب العزت کی اطاعت آجائے گی

محبّت الٰہی تو کسی نہ کسی درجے میں ہر کلمہ گو کے اندر موجود ہوتی ہے مگر پروردگار عالم نے ''اشد'' کا لفظ استعمال فرمایا، کہ جب تک یہ محبّت ''اشد'' کے مرتبہ تک نہیں پہنچے گی اس وقت تک گویا ایمان کامل کی لذت نہیں ملے گی۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت سے اس کی محبّت کی شدت مانگیں اور کہیں۔

''اے اللہ! ہمیں اپنی محبّت میں دیوانہ بنادیجئے، مستانہ بنادیجئے، ہر وقت ہماری آپ کے ساتھ تار جڑی رہے اور ہر وقت ہمارے دل میں آپ کا بسیرا ہوجائے''۔

کسی عارف نے کیا ہی اچھی بات کہی کہ

مجھ کو نہ اپنا ہوش نہ دنیا کا ہوش ہے بیٹھا ہوں مست ہو کے تمہارے جمال میں

تاروں سے پوچھ لو میری روداد زندگی راتوں کو جاگتا ہوں تمہارے خیال میں

ہم بھی پروردگار عالم کی خاطر راتوں کو جاگنے والے بن جائیں، تہجّد پابندی سے پڑھنے والے بن جائیں اور ہر وقت وقوف قلبی رکھنے والے بن جائیں۔

صنم خانوں کی صفائی:

محبّت الٰہی کی شدت حاصل کرنے کے لئے دل کو صاف کرنا پڑتا ہے۔ جب انسان دل میں پڑے ہوئے بتوں کو توڑ دیتا ہے تو پھر اللہ رب العزت اس کے اوپر تجلّی فرماتے ہیں۔ آج میلی جگہ پر کوئی انسان بیٹھنا پسند نہیں کرتا، پاک پروردگار عالم گندی جگہ پر آنا کیسے پسند فرمائیں گے۔ وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ اپنے دلوں کو صاف کرلو اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم معبودان باطل سے اپنی توجہ کو ہٹالیں، چاہے وہ انفسی ہوں، چاہے وہ آفاقی ہوں اور چاہے وہ خیالی ہوں۔ جی ہاں، کئی بت ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو انسان اپنے دماغ میں پوجتا ہے۔ ایسے سب صنم خانوں کی صفائی کرنی پڑتی ہے۔

خلاصۂ کلام:

میرے دوستو! ہماری عبادتیں اور مجاہدے یقیناً اس قابل نہیں کہ ان کے بدلے ہمیں اللہ تعالیٰ کی محبّت جیسی لازوال دولت مل جائے۔ مگر ہم تو سوالی ہیں۔ سوالی کا کام تو سوال کرنا ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ میں اس بات کے قابل ہوں یا نہیں۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے یہی کہیں کہ اے اللہ! اگرچہ ہم بھی اس قابل نہیں ہیں، آپ ہی عطا فرمادیجئے، قابل بھی تو آپ ہی بناتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا (النور: 21) اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی انسان کبھی ستھرا نہ ہوتا۔

معلوم ہوا کہ معاملہ ہماری محنت پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر موقوف ہے۔ ہاتھ پاؤں بچہ مارتا ہے اور ماں باپ کو ترس آجاتا ہے، تزکیہ کا بھی یہی معاملہ ہے، ہاتھ پاؤں سالک مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہاتھ پاؤں مارنے پر ترس آجاتا ہے۔ اس طرح وہ خود تزکیہ کر دیا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مہربانی فرما کر اپنے بندوں کی عاجزی کو قبول فرما لیتے ہیں۔ جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے، بیٹا! میری طرف آؤ۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ بچہ کمزور ہے اور وہ نہیں آسکتا، گر جائے گا مگر باپ کو پتہ ہوتا ہے کہ میں نے اسے گرنے نہیں دینا، صرف یہ دیکھنا ہے کہ میری طرف آتا ہے یا نہیں آتا۔ اسی طرح ہم بھی راستے پر قدم آگے بڑھائیں گے۔ اگرچہ ہم کمزور اور نادان ہیں اور اہلیت و طاقت بھی نہیں ہے، مگر جب قدم آگے بڑھائیں گے اور کسی جگہ پر ڈولنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ بھی تو دیکھ رہے ہوں گے، وہ اپنی رحمت کے ساتھ ہمیں فتنوں میں پڑنے سے بچالیں گے۔ جس طرح باپ بیٹے کو سینے سے لگا لیتا ہے اسی طرح اللہ رب العزت بھی ہمیں اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عطا فرما دیں گے۔

پروردگار عالم سے دعا ہے کہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے اور ہمیں

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ:165) کا مصداق بنا دے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ